شرح دعائے قنوت

تحریر: حامد کمال الدین

3

وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ

"اور مجھے عافیت دے ان میں جنہیں تو نے عافیت دی"۔

عافیت کا مطلب بچت ہو جانا۔ خلاصی ہو جانا۔

جان رکھو: خداشناس لوگوں کی دعاؤں میں بہت سے اسلوب اختیار کیے جاتے ہیں۔ کسی وقت خدا سے بڑا ابڑا کچھ مانگ لیا جاتا ہے: اُس کی جنت، اُس کی قربت، اُس کا دیدار اور نہ جانے کیا کچھ۔ البتہ ان اسالیب میں ایک اسلوب یہ ہے کہ مانگنے میں بھی آدمی انکساری کی حد کر دے۔ اس موقع پر اِس کی کل طلب یہ ہو جاتی ہے کہ مالک اِس کو کچھ نہ کہے۔ اِس چیز کا نام ہے عافیت۔ یعنی مالک اس سے بازپرس نہ کرے۔ جو کچھ اِس کو دیا اس کا سوال نہ کرے۔ جو کچھ گناہ اِس سے ہوئے مالک ان کا ذکر ہی نہ کرے؛ گویا وہ کبھی ہوئے ہی نہیں! یہ تو خوش قسمتی کی حد ہوئی؛ اِس

سے بڑھ کر آخر یہ کیا مانگے! اِس سے اوپر گویا اِس کی آنکھ ہی نہیں اٹھتی۔ اِس سے آگے اِس کی زبان ہی نہیں کھلتی۔ اس کی منتہائے تمنا بس یہ ہو جاتی ہے۔ اِس اسلوب میں مالک کی ایک ایسی تعظیم ہے اور اُس کے آگے ذلت اور لاچاری کا ایک ایسا اظہار ہے جو مالک کی رحمت کو بے تحاشا آواز دے لاتا ہے۔ ہاں یہ البتہ اِسے معلوم ہے کہ جس بندے پر مالک مہربان ہو جائے اور بازپرس سے اس کی خلاصی کر دے تو اس کے وارے نیارے پھر کیسے ہوتے ہیں! پس وہ ساری چیزیں اور وہ سارے ٹھاٹھ اِسے معلوم تو ہیں جو ایک بخشش پا لینے والے شخص کو خدا کے ہاں ملنے والے ہیں، لیکن اِس کی جان جارہی ہے کہ وہ بخشش نام کی نعمت ہی سب سے پہلے اِس کو مل پاتی ہے یا نہیں۔ پس اِسی بخشش میں سب کچھ ہے اور اگر یہ بخشش نہیں تو وہ بربادی کے گڑھے بھی منہ کھولے اِس کو صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ ایسے مشکل مقام سے بخیریت گزر لیں تو بات ہے! خدایا بس یہاں سے گزار دے! تو گویا اُس اصل چیز پر اِس کی نظر جا پڑی ہے جو اِس تمام سعادت کا راز ہے اور باقی سب کچھ اس کے بعد اور اس کے تابع ہے۔ تو یہاں؛ یہ دنیا و مافیہا کو

بھول کر خدا سے وہ ایک چیز مانگنے لگا جس کے ملنے میں سب کچھ ملتا ہے؛ اور جس کے بغیر سب اندھیرا ہے۔

پس یہ ایک کمال معنیٰ ہے۔ اس کے مانگنے میں ہی سب کچھ ہے۔ ترمذی کی حدیث میں فرمایا: ما سُئِلَ اللّٰهُ شيئًا أحبَّ إليه مِن أن يُسأَلَ العافيةَ "اللہ سے مانگی جانے والی چیزوں میں کوئی چیز اللہ کو اس سے بڑھ کر پیاری نہ ہو گی کہ اُس سے عافیت کا سوال کیا جائے"۔ ترمذی ہی کی ایک اور حدیث ہے: فإنَّ أحَدًا لم يُعْطَ بَعدَ اليقينِ خيرًا مِنَ العافية "یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو کسی کو نصیب ہو"۔ ترمذی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ سکھایئے جو میں اللہ سے مانگوں۔ فرمایا: سَلِ اللّٰهَ العافيةَ "اللہ سے عافیت کا سوال کرو"۔ کچھ دن بعد میں پھر حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول مجھے کچھ سکھایئے جو میں اللہ سے مانگوں۔ فرمایا: اے عباس! اے رسول اللہؐ کے چچا! اللہ سے عافیت کا سوال کرو دنیا اور آخرت میں۔

جان رکھو! عافیت ایک وسیع مضمون ہے۔ کسی وقت اس کا تعلق عواقب consequences سے ہو گا تو کسی وقت موجبات causes سے۔ لہٰذا عافیت کا تعلق دنیا سے بھی ہو گا اور آخرت سے بھی۔ دنیا میں آزمائشوں سے بچ جانا یا اگر آزمائشیں پڑیں تو نعمتِ خداوندی سے ان میں سرخرو رہنا خود بخود اس بات کا موجب ہو گا کہ آخرت میں خلاصی ہو جائے۔ پس ہر وہ چیز جس پر صبر کرنا پڑے اور اس پر آدمی کا قدم ڈگمگا سکتا ہو دنیا میں آدمی اس سے خدا کی عافیت مانگتا ہے۔ یعنی نہ بوجھ پڑے اور نہ اس کے لیے جوابدہ ہونا پڑے۔ یوں خدا کے آگے اپنی کمزوری پیش کرنا اور اپنے آپ کو اُس کی آزمائش کے قابل نہ جاننا عاجزی کی ایک نہایت خوب ادا ہے۔ تابعی امام مطرف بن عبد اللہؒ کا قول ہے: لأن أُعَافَىٰ فأشكر أحَبُّ إليَّ مِن أن أُبتَلىٰ فأصبر ”میں عافیت میں رہوں اور اس پر شکر کیے جاؤں، مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے اس سے کہ میں آزمائش میں پڑوں اور اس پر صبر کروں“۔

شارح زاد المستقنع کہتے ہیں: خدا سے عافیت مانگنا:

- دین کے معاملہ میں بھی ہے،
- دنیا کے معاملہ میں بھی،
- اور آخرت کے معاملہ بھی

مزید فرماتے ہیں: اس میں آدمی:

- قلوب کے امراض سے بچنے کی درخواست بھی کرتا ہے، اور جو کہ اِس حدیث کا اصل مقصود ہے،
- اور بدن کے امراض سے بھی۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سکھائے ہوئے کلمات وعافنی فیمن عافیت میں ان سب اشیاء سے تحفظ آجاتا ہے۔

ابن عثیمینؒ اسی حدیث کی شرح میں کہتے ہیں: قلوب کے روگ دو قسم ہیں: ایک شبہات اور دوسرے شہوات۔ یعنی ایک عقائد اور نظریات کے فتنے جنہیں ایک بیمار دل پینے لگتا ہے اور

اس کج فکری کے باعث دل میں ٹیڑھ آتا چلا جاتا ہے۔ دوسرا اعمال کے فتنے اور گناہوں کی کشش جو آدمی کو بربادیوں کی طرف لیے چلتی ہے اور آدمی عبدیت کی حالت سے باہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ قنوت میں آدمی ان دونوں قسم کے روگوں سے بچا رہنے کی دعا کرتا ہے اور اس بات کا سوالی ہوتا ہے کہ یہ قلب اپنی اس اصل حالت پر رہے جہاں یہ صرف خدا کا طلبگار ہوتا، صرف اُسی کی چاہت کرتا اور صرف اُسی سے ڈر کر رہتا ہے۔